بات دودھ لانے کی

فضل حسنین

A/7، پترکار کالونی، اشوک نگر، الہٰ آباد۔ 211001 (یوپی) موبائل: 7499178776

آپ تو جانتے ہی ہیں کہ ملازمت سے سبکدوش ہوجانے کے بعد ریٹائرڈ بزرگ خواہ کتنے ہی اعلیٰ عہدے پر فائز رہے ہوں، گھر میں ان کی حیثیت گھر کی مرغی سے بھی کمتر ہو جاتی ہے کیوں کہ وہ بے کار ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ اس سے قبل ان کی بیگم کا تکیۂ کلام جو بھی رہتا ہو، بزرگ کے ریٹائر ہوتے ہی بیگم کا تکیۂ کلام عموماً یہی ہو جاتا ہے کہ ''اب آپ کو کرنا ہی کیا رہتا ہے؟'' چنانچہ اس طعنے کو سنتے سنتے جب ہم عاجز آ گئے تو ہم نے ایک کام پکڑ ہی لیا یعنی روز صبح گوالے کے گھر جا کر اپنے سامنے دودھ دوہا لانے کا کام۔ ہر چند کہ اب بھی روزانہ ہمارے ذریعہ کیے گئے کاموں کا ٹوٹل گھر کے دیگر افراد سے زیادہ ہی ٹھہرتا ہے، مثلاً گھر کا سودا سلف لانا، لان میں لگے پیڑ پودوں کی دیکھ ریکھ اور نرائی وسینچائی وغیرہ کی ذمہ داری بچوں یعنی پوتے، پوتی کو کھلانا اور باہر لے جا کر گھمانا، ان کی فرمائش پر دوڑ دوڑ کر چٹور پن کی چیزیں لا کر پیش کرنا۔ دن بھر دروازے پر آنے والے طرح طرح کے ایجنٹوں اور پھیری کر کے طرح طرح کی چیزیں بیچنے والوں کی دستک پر جا کر گیٹ کھولنا، پھر ان کے طرح طرح کے سوالات کا جواب دینا اور کسی طرح ان سے گلوخلاصی، حاصل کرنا وغیرہ وغیرہ، لیکن بیگم کے کہنے کے لیے تو ہم ریٹائرڈ یعنی بے کار ہی ٹھہرے۔ لہٰذا ہم نے خود جا کر دودھ اپنے سامنے دوہا لانے کو ایک مشن سا بنا لیا اور اگر کبھی طبیعت ناساز بھی رہتی ہے تو بھی خود پر جبر کرتے ہوئے ہم یہ بڑا کارنامہ یعنی دودھ لا کر ہی دم لیتے ہیں اور بیگم جب بھی فارم میں آتے ہوئے اپنا گھسا پٹا جملہ یعنی ''اب آپ کو کرنا ہی کیا رہتا ہے؟'' دہراتی ہیں تو ہم برجستہ بول پڑتے ہیں بلکہ یوں سمجھ لیجیے کہ ہمارے منہ سے از خود نکل جاتا ہے، ''ہمیں دودھ لانا رہتا ہے۔'' بالکل اسی طرح جیسے بیگم مصرع دیتی ہیں اور ہم اس پر گرہ لگا کر شعر مکمل کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے اپنے لیے اس کام یعنی دودھ لے آنے کو فرض جیسا سمجھ لیا ہے اور بیگم کے وار کرنے پر اسے ڈھال کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یوں تو صبح جا کر دودھ لے آنا بہ ظاہر کوئی بڑی بات نہیں اور جو لوگ اس معرکہ کو سر کر لینے سے ہنوز محروم یا محفوظ رہ گئے ہوں، وہ تو سوچ بھی نہیں سکتے کہ یہ کتنا بڑا معرکہ ہے جسے روز سر کرنا پڑتا ہے۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ جگر مرادآبادی کی یاد دلا دیتا ہے:

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

مثلاً رات بھر ہمیں یہ کھٹکا لگا رہتا ہے کہ صبح آنکھ کھلنے میں دیر نہ ہو جائے اور منزلِ مراد یعنی دودھ والے کے گھر پہنچ کر معلوم ہو کہ دودھ دوہا جا چکا ہے اور بالٹی میں رکھی شے (خواہ دودھ میں پانی ملایا گیا ہو یا پانی میں دودھ) پر ہی اکتفا کرنا پڑتا ہے اور گھر پہنچنے پر ایک نیا مورچہ تیار ملتا ہے یعنی بیگم کا طعنہ ''صرف ایک کام کرنا رہتا ہے، وہ بھی نہیں ہو پاتا۔'' یہاں یہ بھی گوش گزار کرتے چلیں کہ جب بیگم کا موڈ زیادہ خراب ہوتا ہے یعنی ہماری نااہلی کا رونا رونا ہوتا ہے تو بات اِن ڈائرکٹ طریقے سے کرنے لگتی ہیں، مثلاً ''دن رات بس لیٹے رہنے پر بھی لوگوں کی آنکھ جلدی نہیں کھل پاتی۔ کسی بات کی فکر ہو تب تو اسے کرنے میں جی لگے'' وغیرہ وغیرہ۔ خیر! ہم بتا رہے تھے کہ صبح آنکھ کھلتے ہی بس منہ پر چھینٹیں مار کر ہم اس مہم پر نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی وہاں پہنچنے پر معلوم ہوتا ہے کہ گوالا تو ٹھیے پر آ چکا ہے، لیکن ہماری بھینس یعنی جس بھینس کے دودھ میں ہمارا حصّہ بھی لگتا ہے، وہ ابھی صبح کی سیر سے فارغ ہو کر واپس نہیں آئی ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم اور ہم جیسے دیگر بزرگ (برائے مہربانی بزرگ سے مراد بوڑھے اور بوڑھیاں، دونوں لیں کیونکہ بعض بوڑھیوں کو اپنے بوڑھوں پر بھروسا نہیں رہتا کہ وہ گوالے کی نگرانی اتنی مستعدی سے کر پائیں گے۔ چنانچہ وہ خود یہ مورچہ سنبھال لینا بہتر سمجھتی ہیں) کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم لوگ یعنی دودھ لینے والے ڈیوٹی پر حاضر ہو جاتے ہیں، لیکن گوالے صاحب کا پتہ نہیں رہتا۔ کچھ دیر تک تجسس برقرار رہنے کے بعد گوالے صاحب پیٹھ یا سائیکل پر بوری لادے حاضر ہوتے ہیں اور دانت نکالتے ہوئے فرماتے ہیں،

''صاحب! چونی، چوکرختم ہوگیا تھا۔'' اب آپ سوچئے! چونی، چوکر سان کر بھینس کے سامنے پیش کرنے، پھر اسے نوش فرمانے نیز پاگُر کر چکنے کے بعد دودھ دینے کے موڈ میں آنے تک کی منزل کتنی صبر آزما ہوتی ہوگی، اس کا اندازہ کر لینا مشکل نہیں۔ کبھی کبھی تو ان منازل سے گزر چکنے کے بعد مطلوبہ بھینس اچانک ہڑتال کے موڈ میں آتے ہوئے دودھ دینے کے بجائے خاصی دیر تک گوالے پر دولتیاں جھاڑتی رہتی ہے اور اگر اس نے منہ پکڑ لی تو گوالا ہار مان لیتا ہے اور پھر دوسرے جانور پر نئے سرے سے مشقت کرنے میں جٹ جاتا ہے اور دودھ پانے کے منتظرین اس ''سرکس'' کے ناظرین میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

خدا خدا کر کے جب گوالا کسی طرح دودھ دوہ چکتا ہے تو اسے ناپ ناپ کر مستحقین کو دینے کی منزل آتی ہے۔ یہ مرحلہ اور بھی کٹھن ہوتا ہے کیونکہ اگر چپ چاپ کھڑے رہ کر دودھ نپوا لیا تو عین ممکن ہے کہ گھر پہنچنے پر دودھ آدھا تہا ہی اُترے کیونکہ زیادہ تر گوالے اس ترکیب سے دودھ دوہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ جھاگ بن سکے جسے گوالے ''پھینا'' سے منسوب کرتے ہیں۔ ناچیز جیسے سینئر گاہک جو خاصا نقصان اُٹھا چکنے کے بعد اس راز سے واقف ہو چکے ہوتے ہیں، پہلے ''پھینا مار لینے'' کی درخواست کرتے ہیں۔ جب یہ منزل بھی سر ہو جاتی ہے تو پھر نظر اس بات پر گڑائے رکھنی پڑتی ہے کہ دودھ ناپتے وقت گوالا برتن میں دودھ ڈالنے کے بعد کچھ دودھ چننے میں واپس نہ لوٹا لے جائے۔ اگر اس میں چوکے تو پھر گھر پہنچنے پر ایک نیا مورچہ سنبھالنے کے لیے تیار رہئے کیونکہ دودھ مطلوبہ مقدار سے کم ٹھہرنا یقینی ہو جاتا ہے۔ ہماری بیگم ایسے سنہرے موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں اور اس طرح کے تیر برسانے لگتی ہیں، ''قصہ کہانی کے سوا کسی اور چیز میں دل لگے تب نہ! وہاں کھڑے کھڑے نئی کہانی کے پلاٹ کی تلاش میں گم رہتے ہوں گے اور گوالا اپنا کام کر جاتا ہوگا۔'' لہٰذا اس منزل پر یعنی دودھ نپواتے وقت چننے پر اسی طرح نظریں گڑائے رہتے ہیں جیسے کوئی امپائر فائنل میچ کے آخری بال پر نظر گڑائے رہتا ہے۔ لیکن جب کبھی ہمیں شہر سے باہر جانا پڑ جاتا ہے تو گوالا پوری طرح دل کی حسرت نکال لیتا ہے کیونکہ پہلی بار ہماری غیر موجودگی میں بیگم نے یہ مورچہ خود سنبھالنے کی کوشش کی تھی، لیکن مورچے پر پہنچنے پر وہاں پیدا شدہ مسائل سے گھبرا کر پہلے دن ہی ہمت ہار بیٹھیں اور موصوفہ نے کچھ دنوں تک اس معاملے میں اتنی سختی سے ہماری باز پرس کرنے سے گریز کیا، لیکن یہ انسانی فطرت ہے کہ آدمی وقت گزرنے کے ساتھ بڑے سے بڑا غم یا بڑی سے بڑی تکلیف بھول جاتا ہے۔ چنانچہ کچھ دنوں بعد بیگم اس معاملے میں پھر اسی سختی سے پیش آنے لگیں۔ ہم بھی ٹھہرے انسان ہی اس لیے کبھی اس سلسلے میں بیگم زیادہ طعنے مارنے لگتیں تو جوابی کارروائی کے طور پر ہمارے منہ سے بھی نکل ہی جاتا ''بہت سے لوگ تو پہلے ہی دن ہمت ہار جاتے ہیں۔ کہنا آسان ہے، کر پانا مشکل۔'' اس پر وہ طوفان برپا ہو جاتا ہے کہ پوچھئے مت اور تان اسی پر ٹوٹتی ہے کہ ''چوبیس گھنٹے میں صرف ایک کام کرنا رہتا ہے۔ اس کے لیے اتنی شان دکھائی جاتی ہے جیسے دودھ لا کر جگ جیت لیا جاتا ہے۔'' پھر دو تین روز تک گفتگو کا سلسلہ ان ڈائرکٹ والا ہی چلتا ہے، مثلاً کھانا کیوں نہیں کھا لیا جاتا، ٹھنڈا ہوا جا رہا ہے'' یا منا! کہہ دو کھانا تیار ہے۔'' کبھی کبھی انجام بھولتے ہوئے ہمارے منہ سے بھی نکل ہی جاتا ہے، ''منّا! کہہ دو، ابھی بھوک نہیں ہے۔'' اس پر بیگم اپنا وہی گھسا پٹا جملہ دہرا کر کسی حد تک مطمئن ہو لیتی ہیں کہ ''قصہ کہانی سے دھیان ہٹے تب تو کچھ اور سوجھے'' وغیرہ وغیرہ۔

مختصر یہ کہ روز صبح دودھ لانے کا عمل پورا ہونے میں کوئی گھنٹے بھر کا وقت برباد ہو جاتا ہے، ان دنوں کو چھوڑ کر جب مطلوبہ جانور صبح کی سیر سے واپسی میں تاخیر کر دیتا ہے یا دودھ لے کر گھر پہنچنے پر مقررہ مقدار سے کم ٹھہرتا ہے تو بیگم کی باز پرس اور ہمارا یا ان کا موڈ پہلے سے ہی خراب ہونے کے سبب ہم پر نااہلی کا الزام، پھر اس پر اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش نیز بیگم کو مطمئن نہ کر پانے کی صورت میں دوبارہ گوالے کے گھر جا کر گھٹا دودھ لے آنے میں جو اضافی وقت برباد ہوتا ہے اسے اس سے الگ سمجھیں۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ اتنا بکھیڑا ہونے سے تو بہتر ہے کہ پانی ملا دودھ ہی گھر پر لے لیا جائے تو اس کی بھی اپنی الگ کہانی ہے۔ ہمارے ایک شناسا جن کے یہاں قریب کے گاؤں سے گوالا دودھ لاتا تھا، انھوں نے بتایا کہ ایک روز انھوں نے اپنے گوالے سے کہا، بھیّا! میں تم سے یہ تو کہہ نہیں سکتا کہ دودھ میں پانی ملا کر مت لایا کرو ہاں، اتنی کر پا کرو کہ دودھ میں صاف پانی ملا کر لایا کرو!'' تو گوالا حیرت سے ان کا منھ دیکھنے لگا۔ دوست نے بات صاف کی، ''کل تو جو دودھ دے گئے تھے اس میں چھوٹی سی مچھلی بھی تھی۔'' یہ سن کر گوالا جھینپ گیا اور کھسیانی ہنسنے لگا۔ بات یہ تھی کہ اس روز شاید وہ گھر پر پانی ملانا بھول گیا تو راستے میں کسی تالاب سے پانی ملا لیا تھا۔ چھوڑیے! کہاں تک سنئے گا ہمارا دکھڑا! خدا حافظ

○○